زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں؟

مولانا محمد شہاب الدین ندوی، بنگلور

(۲)

ایک اعتراض اور اس کا جواب :-

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے مذکورہ بالا فتوے پر شیخ رشید رضا مصری نے اپنی تفسیر میں اعتراض کرتے ہوئے بعض اہلِ علم کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کو جو عطیہ دیا کرتے تھے وہ زکوٰۃ وصول کرنے کا معاوضہ (عمالہ) تھا نہ کہ بذات خود زکاۃ کی رقم۔ اور اس سلسلے میں موصوف نے حافظ ابن حجرؒ کا ایک قول بھی نقل کیا ہے [۱۶] (جو اس سلسلے کی بعض حدیثوں کی بنیاد پر ہے)۔

لیکن یہ اعتراض پوری طرح صحیح نہیں ہے (اگرچہ اس سلسلے میں ابن حجرؒ نے بعض اہلِ علم کے اقوال بھی پیش کیے ہیں) کیونکہ امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا حدیث کے لئے جو عنوان قائم کیا ہے اور اس سلسلے میں جو قرآنی آیت

---

[۱۶] دیکھئے تفسیر منار، از شیخ رشید رضا، ۱۰/ ۵۰۱ - ۵۰۲

پیش کی ہے اس کے ملاحظہ سے یہ شبہ بالکل دور ہوجاتا ہے۔ چنانچہ موصوف نے اس کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے:

بَابُ مَنْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ شَیْئًا مِنْ غَیْرِ مَسْئَلَۃٍ وَلَا اِشْرَافِ نَفْسٍ، وَفِیْ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ — یعنی باب اس کا کہ اللہ نے جس کو کوئی چیز بغیر کسی سوال اور بغیر کسی نفسانی خواہش کے دے دیا۔ اور قرآن الہی کہ) ان (مسلمانوں) کے مال میں مانگنے والے اور محروم شخص کا بھی حق ہے۔ ؎

اس طرح امام بخاری نے اپنے اس عنوان میں قرآن و حدیث کے دو فقروں کو جمع کر کے گویا کہ ایک دوسرے کی تشریح و تفسیر کی ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا عنوان کا پہلا حصہ خود حدیث مذکور سے ماخوذ ہے جو حضرت ابن عمرؓ کے حوالے سے اوپر گزر چکی ہے۔ اور اس حدیث کی تفسیر میں امام بخاریؒ نے آیت مذکورہ کو پیش کر کے اپنی نکتہ رسی اور فقاہت کا ثبوت دیا ہے۔ اور یہ آیت کریمہ سورۃ ذاریات میں موجود ہے جو یہ ہے:

وَفِیْ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ اور ان (مسلمانوں) کے مال میں مانگنے والے اور محروم شخص کا بھی حق ہے۔ (ذاریات: ۱۹)

اس آیت میں "محروم شخص" سے مراد کون ہے؟ تو اس کے بارے میں خود ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ تو طبری کی یہ تفسیر کہ اس سے مراد "سوال کرنے سے بچنے والا" مراد ہے (المتعفف الذی لا یسأل)، نیز ابن ابو حاتم کی بھی ایک روایت

؎ صحیح بخاری۔ باب الزکاۃ ۲/۱۲۳۔

اسی قسم کی ہے۔ اور انہی روایات کی رُو سے امام بخاریؒ کا عنوان صحیح ہو سکتا ہے، بخلاف دیگر روایات کے۔ "ردعلی التفسیر المذکور مطبق الترجمۃ" [18]

اس اقتباس سے امام بخاریؒ کے نزدیک اس مسئلے میں عموم مراد ہے، اگرچہ حدیث مذکور مطلق زکاۃ سے متعلق نہیں بلکہ وصولیٔ زکاۃ کے معاوضے سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ خود نواب صاحبؒ بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنی شرح شرح بخاری "عون الباری" میں خود ہی اس کی تصریح کی ہے، جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں۔

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ أَيْ بِسَبَبِ الْعُمَالَةِ كَمَا فِي مُسْلِمٍ، لَا مِنَ الصَّدَقَةِ فَلَيْسَتْ مِنْ جِهَةِ الْفَقْرِ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطیہ دیا کرتے تھے۔ یعنی زکاۃ وصول کرنے کے معاوضے کے طور پر۔ جیسا کہ اس کی تصریح مسلم میں موجود ہے۔ اور یہ زکاۃ کی رقم نہیں ہوتی تھی۔ تو وہ فقر۔ احتیاج کے طور پر نہیں ہوا کرتی تھی۔" [19]

مطلب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ عطیہ جات ایک زائد شے کے طور پر (بطور تحفہ) ہوا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد موصوف نے صاحب المصابیح کے حوالے سے ایک اور نفیس نکتہ اس طرح بیان کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں عرض کرتا کہ (یا رسول اللہ) آپ یہ عطیہ

---

[18]۔ "فتح الباری شرح بخاری" از ابن حجرؒ، ۳/ ۳۳۲، مطبوعہ دارالافتاء، ریاض۔

[19]۔ "عون الباری شرح بخاری" از نواب صدیق حسن خاںؒ ۱/ ۱۷ مطبوعہ قطر۔

ایسے شخص کو دیکھئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو" تو یہاں پر حضرت عمرؓ نے زیادہ محتاج" کا لفظ استعمال کرکے ایک اچھے نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ "فقیر" وہ ہے جو کسی چیز کا مالک ہو۔ کیونکہ اسی طرح سے "محتاج" زیادہ محتاج" کا اثبات ہو سکتا ہے۔ (خلاصہ)

(قَولُهُ: اعطِهِ مَنْ هُوَ أَفقَرُ إِلَيهِ مِنِّي) عبر بأفقر فيه نكتة حسنة وهي كون الفقير هو الذي يملك شيئا ما لأنه إنما يتحقق فقير وأفقر۔ إذا كان الفقير شيئ بعض فيكثر۔ أما لو كان الفقير هو الذي لا شيئ له البتة لكانوا كلهم سواء ليس منهم أفقر۔ قاله صاحب المصابيح[۲۰]

بہرحال اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ نہ کچھ مال ضرور رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عطیہ جات سے نوازتے تھے۔ اور امام بخاریؒ کی تصریح کے مطابق اس میں عطیہ جات (زکاۃ کے علاوہ جزیہ وغیرہ) ہی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات ... عامہ ہوتی ہے۔ جیساکہ اوپر کی بحث سے ثابت ہو گیا۔

... بارے میں حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ وہ نہ تو کسی سے سوال کرتے تھے اور نہ اُن کو دی جانے والی کوئی چیز (زکاۃ کا عطیہ) رد کرتے جیساکہ حدیث صحیح میں مذکور ہے:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا، وَلَا يَرُدُّ شَيْئًا أُعْطِيَهُ۔[۲۱]

واضح رہے شمس الائمہ سرخسیؒ نے حدیث مذکور کو اس مسئلے میں بطور دلیل

---

[۲۰] حوالہ مذکور۔

[۲۱] صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، ۲/ ۷۲۳۔

اسی قسم کی ہے۔ اور انہی روایات کی رُو سے امام بخاریؒ کا عنوان صحیح ہو سکتا ہے، بخلاف دیگر روایات کے۔ روعلی التفسیر المذکور مطیق الترجمۃ [18]

اس اقتباس سے امام بخاریؒ کے نزدیک اس مسئلے میں عموم مراد ہے، اگرچہ حدیث مذکور مطلق زکاۃ سے متعلق نہیں بلکہ وصولیٔ زکاۃ کے معاوضے سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ خود نواب صاحبؒ بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنی شرح شرح بخاری عون الباری میں خود ہی اس کی تصریح کی ہے، جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں۔

کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْنِی الْعَطَاءَ أی بِسَبَبِ الْعُمَالَۃِ کَمَا فِی مُسْلِمٍ، لَا مِنَ الصَّدَقَاتِ، فَلَیْسَتْ مِنْ جِھَۃِ الْفَقْرِ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطیہ دیا کرتے تھے۔ یعنی زکاۃ وصول کرنے کے معاوضہ کے طور پر۔ جیسا کہ اس کی تصریح مسلم میں موجود ہے۔ اور یہ زکاۃ کی رقم نہیں ہوتی تھی۔ تو وہ فقر و احتیاج کے طور پر نہیں ہوا کرتی تھی۔ [19]

مطلب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ عطیہ جات ایک زائد شے کے طور پر (بطور تحفہ) ہوا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد موصوف نے صاحب المصابیح کے حوالے سے ایک اور نفیس نکتہ اسطرح بیان کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں عرض کرتا کہ (یا رسول اللہ) آپ یہ عطیہ

---

[18] فتح الباری شرح بخاری از ابن حجر ۳/۳۳۲، مطبوعہ دارالافتاء ریاض۔
[19] عون الباری شرح بخاری از نواب صدیق حسن خاں ۳/۷، مطبوعہ قطر۔

کسی ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو" تو یہاں پر حضرت عمرؓ نے "زیادہ محتاج" کا لفظ استعمال کرکے ایک اچھے نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "فقیر" وہ ہے جو کسی چیز کا مالک ہو۔ کیونکہ اسی طرح سے "محتاج" اور "زیادہ محتاج" کا اثبات ہو سکتا ہے۔ (خلاصہ)

(قَالَ قَوْلُهُ: اَعْطِهِ مَنْ هُوَ اَفْقَرُ اِلَيْهِ مِنِّي) عبّر بأفقر ليفيد نكتة حسنة وهي كون الفقير هو الذي لا يملك شيئاً ما لأنه انما يتحقق فقير وافقر اذا كان الفقير له شئ يقل ويكثر۔ أما لو كان الفقير هو الذي لا شئ له البتة كان الفقراء كلهم سواءً، ليس منهم افقر۔ قاله صاحب المصابيح [۲۰]

بہرحال اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ نہ کچھ مال ضرور رہا کرتا تھا۔ مگر اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عطیہ جات سے نوازا کرتے تھے۔ اور امام بخاریؒ کی تصریح کے مطابق اس میں عطیہ جات (یا وصولی زکاۃ کے معاوضے وغیرہ) ہی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات مال زکاۃ پر بھی عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر کی بحث سے ثابت ہو گیا۔

اس بارے میں حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ وہ نہ تو کسی سے سوال کرتے تھے اور نہ اُن کو دی جانے والی کوئی چیز (زکاۃ کا عطیہ) رد کرتے تھے، جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا، وَلَا يَرُدُّ شَيْئًا أُعْطِيَهُ۔ [۲۱]

واضح رہے شمس الائمہ سرخسیؒ نے حدیث مذکور کو اس مسئلے میں بطور دلیل

---

۲۰ :- حوالۂ مذکور۔

۲۱ :- صحیح مسلم کتاب الزکاۃ ۲۳/۲۰ ۔

اسی قسم کی ہے۔ اور انہی روایات کی رُو سے امام بخاریؒ کا عنوان ہو سکتا ہے، بخلاف دیگر روایات کے۔ ردعلی التفسیر المذ طبق الترجمة) ۱۸

اس اقتباس سے امام بخاریؒ کے نزدیک اس مسئلے میں عموم مراد گرچہ حدیث مذکور مطلق زکاۃ سے متعلق نہیں بلکہ وصولیٔ زکاۃ معاوضے سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ خود نواب صاحبؒ بھی اس حقیق سے ناواقف نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنی شرح شرح بخاری (عو الباری) میں خود ہی اس کی تصریح کی ہے، جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں۔

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِي الْعَ أَيْ بِسَبَبِ الْعُمَالَةِ، كَمَا فِي مُسْلِمٍ، لَا مِنَ الصَّدَ فَلَيْسَتْ مِنْ جِهَةِ الْفَقْرِ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطیہ کرتے تھے۔ یعنی زکاۃ وصول کرنے کے معاوضے کے طور پر۔ جیسا کہ ا کی تصریح مسلم میں موجود ہے۔ اور یہ زکاۃ کی رقم نہیں ہوتی تھی۔ تو فقر۔ احتیاج کے طور پر نہیں ہوا کرتی تھی۔ ۱۹

مطلب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ عطیہ جات ا زائد شے کے طور پر (بطور تحفہ) ہوا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد موء نے صاحب المصابیح کے حوالے سے ایک اور نفیس نکتہ اسطرح بیان حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں عرض کرتا کہ یا رسول اللہ! آپ یہ عطی

۱۸۔ فتح الباری شرح بخاری از ابن حجر، ۳/ ۳۳۴، مطبوعہ دار الافتاء، ریاض

۱۹ ...

کسی ایسے شخص کو دیکھئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو" تو یہاں پر حضرت عمرؓ نے "زیادہ محتاج" کا لفظ استعمال کر کے ایک اچھے نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "فقیر" وہ ہے جو کسی چیز کا مالک ہو۔ کیونکہ اسی طرح سے "محتاج" اور "زیادہ محتاج" کا اثبات ہو سکتا ہے ۔ (خلاصہ)

(فَاَقُولُ، اعطِهِ مَنْ هُوَ اَفْقَرُ اِلَيْهِ مِنِّي) عبّر بافقر ليفيد نكتة حسنة وهي كون الفقير هو الذي يملك شيئاً ما لأنه انما يتحقق فقير وافقر۔ اذا كان الفقير له شئ يقل ويكثر۔ أما لو كان الفقير هو الذي لا شئ له البتة كان الفقراء كلهم سواءً، ليس منهم افقر۔ قاله صاحب المصابيح[۲۰]

بہر حال اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ نہ کچھ مال مزدور رہا کرتا تھا۔ مگر اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عطیہ جات سے نوازا کرتے تھے ۔ اور امام بخاریؒ کی تصریح کے مطابق اس میں عطیہ جات (یا وصولئ زکاۃ کے معاوضے وغیرہ) ہی کی کوئی تخصیص نہیں ہے ۔ بلکہ یہ بات مال زکاۃ پر بھی عائد ہوتی ہے ۔ جیسا کہ اوپر کی بحث سے ثابت ہو گیا ۔

اس بارے میں حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ وہ نہ تو کسی سے سوال کرتے تھے اور نہ اُن کو دی جانے والی کوئی چیز (زکاۃ کا عطیہ) رد کرتے تھے، جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے :

فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَسْأَلُ اَحَدًا شَيْئًا ، وَلَا يَرُدُّ شَيْئًا اُعْطِيَهُ ۔[۲۱]

واضح رہے شمس الائمہ سرخسیؒ نے حدیث مذکور کو اس مسئلے میں بطور دلیل

---

۲۰ ۔ حوالۂ مذکور ۔

۲۱ ۔ صحیح مسلم ، کتاب الزکاۃ ، ۲/ ۷۲۳ ۔

بیشتر کہا ہے کہ جس شخص کے لیے مانگنا حرام ہو اُس کے لیے بغیر سوال کے اس قسم کا مال لینا بالکل جائز ہے۔ چنانچہ وہ ایک مسئلہ میں تحریر کرتے ہیں:

وتاويله عندهما فى حرمة السؤال والطلب، وبه نقول قال صلى الله عليه وسلم لعمر رضى الله تعالى عنه: ما آتاك من هذا المال من غير طلب ولا استشراف فخذه، فانه مال الله تعالى يؤتيه من يشاء۔ ۲۲ؔ

اس اعتبار سے نواب صدیق حسن خانؒ کا مذکورہ بالا فتویٰ کوئی بدعت یا فقہ حنفی کے لیے نامانوس نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ہمساز و دمساز نظر آ رہے ہیں۔ لیکن ہمارے کم سواد اور تنگ نظر علماء بیچارے نواب صاحبؒ کو ناحق "گمراہ" قرار دینے پر تُلے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس سلسلے میں زمین و آسمان کے قلابے ایک کرتے دکھائی دیتے ہیں جب کہ انہیں خود اپنے ہی گھر کی خبر نہیں ہے۔ شاید ایسے ہی موقعوں کے لیے کہا جاتا ہے:

خود فراموشی کند تہمت دہد استاد را

ایک آیت کی تفسیر اور چند نفیس نکات:-

اب آیت بالا (ذاریات ۱۹) کی تفسیر میں مفسرین کی چند تصریحات بھی ملاحظہ ہوں، جن سے نہ صرف یہ مسئلہ اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے بلکہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۷۳ (لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ:-

---

۲۲ؔ:- المبسوط للسرخسی: ۱۴/۳، مطبوعہ کراچی، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

زکاۃ اُن محتاجوں کے لیے ہے جو اللہ کے راستے میں گھرے ہوئے ہیں) پر بھی ایک نئی روشنی پڑ جاتی ہے۔ اور اس بحث سے رشید رضا اور معترض جیسے لوگوں کی ذہنی وضاحت بھی اچھی طرح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام قرطبی تحریر کرتے ہیں :

محمد بن سیرینؒ اور قتادہؒ نے کہا ہے کہ اس آیت میں "حق" سے مراد فرض زکاۃ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ زکاۃ کے علاوہ خیر خیرات (نفلی صدقات) کے بارے میں ہے۔ کیونکہ یہ سورت (ذاریات) مکی ہے اور زکاۃ مدینے میں فرض ہوئی تھی۔ مگر ابن العربی کے قول کے مطابق یہاں پر قوی بات یہ ہے کہ اس سے زکاۃ ہی مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے :

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ؛

اور وہ لوگ (قابل تعریف ہیں) جن کے مالوں میں ایک متعین حق ہے، مانگنے والے کے لیے بھی اور محروم شخص کے لیے بھی۔ (معارج: ۲۴-۲۵)

تو اس میں "متعین حق" (حق معلوم) سے مراد زکاۃ ہی ہے، جس کی مقدار، جنس اور وقت کی صراحت شریعت نے کر دی ہے۔ اب رہا نفلی صدقات وخیرات کا معاملہ تو وہ متعین نہیں ہے۔ ۲۳

اب رہا یہ مسئلہ کہ "محروم شخص" سے مراد کون ہے؟ تو اس بارے میں چار قسم کے اقوال مختلف تفسیروں میں مذکور ہیں، جو یہ ہیں :

۱۔ محروم وہ ہے جس کی دنیا بھاگتی ہو ۔ یعنی جو وسائل سے محروم ہوا ور

۲۳۔ خلاصہ از تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۳۸

اُسے کوئی پیشہ حاصل نہ ہو۔ (تمہارف)۔

۲۔ محروم وہ ہے جو (اپنی آبرومندی کی بنا پر) کسی سے کچھ نہ مانگتا ہو اور نہ لوگوں کو اپنے حال سے واقف کراتا ہو۔ (مُشفق)

نوٹ:۔ سورۃ بقرہ (۲۷۳) میں اسی قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہے جو اپنی "سفید پوشی" کی وجہ سے بظاہر مالدار لگتے ہیں۔ اور امام بخاری کی غرض انہی لوگوں سے ہے۔

۳۔ محروم وہ ہے جس کے پاس "نموبخش" یا بڑھنے والا مال موجود نہ ہو۔ (المحروم الذی لا ینمی لہ مال)۔

۴۔ وہ شخص جس کی کھیتی یا پھلوں کو آفت آ پڑی ہو۔[۲۴]

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ تیسرے قول کے مطابق ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جس کے پاس کچھ مال تو موجود ہو مگر اس میں نمو یا بڑھوتری نہ ہو رہی ہو۔ یعنی وہ تجارتی مال نہ ہو۔ اور یہ بات خاص کر ایسے دینی خدمت گاروں پر صادق آسکتی ہے کہ اگر ان کے پاس تجارتی مشاغل نہ ہونے کے باوجود کچھ "غیرنامی" مال موجود ہو تو ان کا اطلاق مالداروں پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انہیں بلاتکلف زکوٰۃ کی رقم سے نوازا جا سکتا ہے۔ تاکہ وہ دینی و علمی خدمت پوری یکسوئی اور بے فکری کے ساتھ انجام دیتے رہیں اور انہیں اپنی ضروریاتِ زندگی کے لیے اپنی پونجی ختم ہو جانے اور مفلس و قلاش بن جانے کا اندیشہ بالکل نہ رہے۔ اور امام بخاری

۲۴:۔ خلاصہ از تفسیر قرطبی ۱۷/۳۸۔۳۹، تفسیر ابن جریر ۲۶/۱۲۴۔۱۲۶، تفسیر درمنثور ۶/۱۱۳۔۱۱۴، تفسیر روح المعانی ۲۷/۹، تفسیر کشاف ۴/۱۶۔

کتا و ملی میں یہ قسم بھی داخل ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ مادیات کے دور میں اس قسم کی خدمت انجام دینے والوں کے لئے کچھ تو "تحفظات" ہونے چاہئیں۔ ورنہ اس لائن میں کوئی مفید اور خاطر خواہ کام انجام نہیں پا سکتا۔ جو ملّت کی سربلندی کا باعث ہو سکتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس راہ میں جو افراد دین و ملّت کے لیے وقف ہو کر کام کریں تو اُن کی ہمّت افزائی بھی پوری وسعت قلبی کے ساتھ ہونی ضروری ہے۔ اُوپر مذکور علّامہ حصکفی اور علّامہ شامی کے فتاویٰ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

بہر حال ان آیات و احادیث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ علمی و دینی خدمتگاروں کا حق بن مانگے ملنا چاہیئے۔ یعنی "محروم" اور "متعفف" لوگوں تک اُن کا حق گھر بیٹھے پہنچانا چاہیئے۔ اور ذمّہ داران ملّت و پاسبانان شریعت کے لیے اس ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ شریعت نے آبرو مندوں کو مانگنے سے منع کر دیا ہے۔ اور اسی بنا پر قرآن اور حدیث میں انہیں متعفف یعنی "سوال کرنے سے بچنے والے" کہا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کی صراحت اس طرح کی گئی ہے:۔

لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ ـ إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الْمُتَعَفِّفُ ۔ اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک دو کھجور یا ایک دو لقمے لوٹا دیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو سوال کرنے سے بچنے والا ہو۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ اور وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے [۲۵] (بقرہ: ۲۷۳)

---

[۲۵]۔ صحیح مسلم کتاب الزکاۃ: ۲/۱۹ ۔

شریعت کے ان واضح احکام کا تقاضا ہے کہ لوگ خدمت دین میں مشغول علماء اور ان کے معاون کارکنوں کی ضروریات خود ان کی خدمت میں رضاکارانہ طور پر پہنچا دیا کریں۔ اور علماء کو دست سوال دراز کرنے پر مجبور نہ کریں۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کی بھی تاکید ملتی ہے کہ اس سلسلے میں مستحق لوگوں کو پوشیدہ طور پر دینے کا التزام کرنا چاہیئے، اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ چنانچہ ایک حدیث کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات قسم کے لوگوں کو اپنے سائے میں پناہ دے گا، جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ چنانچہ ان سات خوش نصیب افراد میں سے ایک شخص یہ بھی ہے۔

وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا، حَتّٰى لَا تَعْلَمَ يَمِينُهُ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهُ، وہ شخص جو صدقہ کرتا ہے (زکاۃ ادا کرتا ہے) تو اسے پوشیدہ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا داہنا ہاتھ جو کچھ خرچ کرتا ہے اُس کی خبر اُس کے بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔ [۲۶]

یہ نہیں کہ بغرض نمائش دنیا بھر کے "بھکاریوں" کو اپنی ڈیوڑھی پر اکٹھا کر کے نام و نمود اور ریاکاری کے طور پر زکاۃ کا مال تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اور بعض اہل ثروت تو اس سلسلے میں من مانی کرتے ہوئے نہ صرف "فقیروں" کو بلکہ خود اہل علم کو بھی ایک لائن میں کھڑا کر کے یکے بعد دیگرے اپنی کوٹھی کے اندر بلاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۶۔ مسلم کتاب الزکاۃ، ۲/۷۱۵۔

اس سے بڑھ کر علمِ دین کی اہانت و رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زکاۃ۔

مذہبی تحقیق کی تحریر تناقض و تضاد سے بھرپور ہے۔ اور وہ جگہ جگہ محض الزامی جواب دینے کی غرض سے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور مغالطہ آرائیوں کے انبار لگاتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

"اگر زکاۃ کا اولین استحقاق خدمتِ دین کی بنیاد پر ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زکاۃ کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ فقر و فاقہ اور شدید ترین معاشی تنگی کے باوجود آپ نے زکاۃ کا ایک حبہ استعمال نہیں کیا۔ اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ قیامت تک کے لیے سادات کو زکاۃ کے استعمال سے منع فرما دیا۔ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے زکاۃ کی ایک کھجور منہ میں ڈال لی۔ آپ نے ان کے منہ سے کھجور اگلوا دی اور فرمایا "تھو تھو اسے پھینک دو، کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم لوگ زکاۃ نہیں کھاتے"۔[۲۷]

ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا مغالطہ اور پُر فریب استدلال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان پر زکاۃ ممنوع ہونے کی وجہ وہ نہیں ہے جو معترض بیان کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ بات آپ کے خصائص میں سے تھی۔ جیسا کہ بعض حدیثوں سے ثابت ہے:

۲۷۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ستمبر ۱۹۸۸ء، ص ۲۲، ۲۳۔

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ۔ زکوٰۃ محمدؐ اور محمدؐ کی اولاد کے لیے نامناسب ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کا میل کچیل ہے۔ [۲۸]

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا: صدقہ (زکوٰۃ) ہمارے لیے حلال نہیں ہے۔ [۲۹]

یہ اور اس قسم کی حدیثوں سے کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ دینی خدمت کے عوض میں جائز نہیں ہے؟ آخر یہ تنگ بندی کہاں سے نکل آئی؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کا انطباق اس طرح بے اصولی طور پر کرنا جائز ہو تو پھر یوں کہنا بھی صحیح ہوگا کہ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں کسی کو وارث بننا جائز نہیں تھا لہٰذا اب کسی بھی اُمتی کو اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں کے ترکہ میں وارث بننا جائز نہ ہوگا۔ حدیث ملاحظہ ہو:

لَا نُوْرَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم (آپس میں) وارث نہیں بنائے جاتے۔ (یعنی ہمارا ترکہ کسی کو نہیں مل سکتا) ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہے۔ [۳۰]

نیز ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا،

۲۸: صحیح مسلم و مسند احمد، منقول از نیل الاوطار ۴/۲۳۱۔

۲۹: ترمذی کتاب الزکوٰۃ ۶/۲۳، ابو داؤد ۲/۲۹۹، نیز نسائی کتاب الزکوٰۃ۔

۳۰: نسائی قسم الفیء: ۷/۱۳۶۔

کی صورت ... علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء درہم و دینار
کسی کو بھی وراثت میں نہیں دے گئے بلکہ علم ہی وراثت بنا گئے ہیں
اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث صرف علم
کے ہوتے ہیں، روپے پیسے کے معاملات میں نہیں۔ علیہ السلام آنے کے بعد
... کسی کے وارث نہ بنیں۔ دیکھیے ہماری شریعت
میں ایک نکتہ کی وضاحت کیسے حکیمانہ انداز میں موجود ہے۔ اور
پھر منکرین کی ... منطق بھی دیکھیے کہ وہ شریعت کے اصولوں
کو کس طرح بگاڑ کر ان کی شکل و صورت مسخ کر دینا چاہتے ہیں۔

نیز اس سلسلے میں دوسری حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے خاندان (بنو ہاشم) کے برعکس غیر ہاشمی صحابہ کرامؓ نہ صرف زکاۃ
کے مال سے مستفید ہوتے تھے بلکہ خود صدقہ کا مال بھی ان کے لیے جائز
و مباح تھا۔ جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کا مال نہیں کھاتے تھے
کیونکہ یہ بات آپ کے خصائص میں تھی۔ چنانچہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۷۳
کی تفسیر میں تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ آیت کریمہ زکاۃ کے بارے میں ہے
جو اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اصحاب صفہ تمام
کے تمام صحابہ ہی تھے جو زکاۃ کے مال سے مستفید ہوتے تھے۔ اور جہاں
تک صدقہ کا تعلق ہے تو حدیث ملاحظہ ہو:

إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟ فَإِنْ قِيلَ
صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُوا، وَلَمْ يَأْكُلْ۔ وَإِنْ قِيلَ هَدِيَّةٌ

مشکوٰۃ، ترمذی کتاب العلم ۲۶۷۵۔

میں صدقہ کا کوئی حصہ نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی کھانا لایا جاتا تو دریافت فرماتے کہ آیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ صحابہؓ سے فرماتے کہ کھاؤ اور خود نہ کھاتے۔ مگر جب یہ کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ ہاتھ بڑھاتے اور ان کے ساتھ خود بھی تناول فرماتے۔ [سے]

صدقہ کی دو قسمیں ہیں: صدقہ واجبہ یعنی زکاۃ اور صدقہ نافلہ یعنی خیرات۔ یہ دونوں قسم کے صدقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اپنے خاندان (بنی ہاشم) کے لیے حرام سمجھتے تھے۔ مگر آپ نے اسے غیر متعلق یا پوری امت کے لیے حرام نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ اوپر والی حدیث جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ کی حرمت ثابت ہو رہی ہے اُسی سے صحابہ کرامؓ کے لیے صدقہ کی حلت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کا زکاۃ لینا قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ اس طرح ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ نہ صرف صدقات واجبہ سے بلکہ خود صدقات نفلی سے بھی مستفید ہوتے تھے اور یہ چیز نہ تو صحابہ کرامؓ کے لیے حرام تھی اور نہ اس سے علم دین پر کوئی حرف آتا تھا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کے لیے (باوجود اُن کے جلالتِ علم و مرتبہ کے) یہ چیز جائز تھی تو پھر غیر صحابہ اور عام علماء اُمّت کے لیے یہ چیز ناجائز یا حرام کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اس سے دینی خدمت کا کام پست اور حقیر کیونکر ہو جائے گا؟ کیا کوئی غیر صحابی مقام و مرتبہ میں "اصحابِ صُفّہ"

سے بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، باب من لا تحل لہ الصدقۃ، مرقاۃ ۲/۴۴۴

[illegible] سکتا ہے؟ جب اصحاب صفہ صحابہ کرامؓ زکوٰۃ کی رقم لے سکتے ہیں تو پھر اصحاب صفہ یا امت کے زکوٰۃ لے لینے سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے کی دلیل پیش کرو)۔

معترض غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ معاذ اللہ "علماء" یا "اہل علم" نہیں ہوا کرتے تھے۔ یا پھر وہ پوری اُمت کے علماء اور دینی خدمت گاروں کو بھی خاندان رسالت میں داخل کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ معترض کی الٹی منطق کا لازمی منطقی نتیجہ ہے۔

اگر معترض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کا انطباق پوری اُمت کے علماء پر اس طرح کرنے لگ جائیں تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ اب ہر متقی نہ سہی کم از کم ہر عالم نو بیویاں کرے۔ کیونکہ حضورؐ کی نو ازواجِ مطہرات تھیں۔ ذرا دیکھئے تو سہی اس غلط اور الٹی منطق بلکہ پھکڑپن کی زد کہاں سے کہاں تک جا پہنچتی ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفقہ:۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھریلو اخراجات کے لیے سال بھر کا نفقہ مالِ فئے سے لے کر ذخیرہ فرما لیا کرتے تھے۔ فئے اس مال غنیمت کو کہا جاتا ہے جو بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے:

عَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى

رسولہٖ صلی اللہ علیہ وسلم، مما لم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب۔ فکانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ وکان ینفق علی اھلہٖ نفقۃ سنتہٖ۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ بنی نضیر کے اموال کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بطور فے اس طرح عنایت فرمایا کہ اس پر مسلمانوں کو فوج کشی کرنے کی نوبت نہ آسکی۔ تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھے اور آپؐ اسے اپنے اہل پر سال بھر کے نفقہ کے طور پر خرچ فرمایا کرتے تھے۔ [1]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فے سے اس طرح مستفید ہونے کی اجازت خود قرآن کریم سے ثابت ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (اور اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے جو مال لوٹایا ہے (بطور فے سرفراز کیا ہے) تو وہ اللہ کا حق ہے اور رسول، قرابت دار، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے۔ (حشر: ۷)

اس طرح آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زکاۃ ممنوع اور مال فے سے اپنا نفقہ لینے کا جواز تھا۔ اور اسی ارشاد الٰہی کے مطابق آپ اپنا سال بھر کا نفقہ لے لیا کرتے تھے۔

امام ابو عبیدؒ نے کتاب الاموال میں تصریح کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ

---

[1] ۔ بخاری کتاب الجہاد ۳/۲۲۷، ۲۲۸، نسائی [illegible]